ISSN:3007-3324(P) Tashkeel e Jadeed volume:3, Issue:1, july to December 2025
ISSN:3007-3316 (E) Email: tashkeele.jadeed@aiou.edu.pk

ڈاکٹر فضیلت بانو

پوسٹ ڈاکٹریٹ اسکالر،یونیورسٹی آف دی پنجاب ۔ لاہور،ای میل:fazeelat_bano@hotmail.com

ڈاکٹر سید بابر علی زیدی

لیکچرار شعبہ اردو،یونیورسٹی آف نارووال،ای میل:babar.zaidi@uon.edu.pk

ڈاکٹر انور حارث

لیکچرار اردو (ڈی۔ پی۔ ایس کالج)، اوکاڑہ،ای میل:harisanwarmalik@gmail.com

پاکستانیت اور جمیل جالبی کی فکری اساس

Pakistaniism and the intellectual foundation of Jamil Jalibi

Abstract:

Behind the veil of national identity lies an intellectual dimension in which the overall life of the people of any country or society is presented. Human customs, way of life, feelings and emotions, language, literature, religion and civilization are all integrated into one unit. Just as civilization resembles the flow of a continuously flowing river, the aesthetic values of culture play a special role in national identity. Immediately after the establishment of Pakistan, the need for national identity and Pakistan civilization was felt. Different thinkers and intellectuals have presented their views on the problem of identity in their own way. Dr. Jameel Jalbi was also one of those who dared to present the meaning of civilization and culture and national identity in its overall intellectual context. He presented the aesthetic attitudes of the structure of Pakistanies and the internal and external elements of the culture in his scenario. Among the problems faced by the nascent Pakistani society, autonomy, liberalism, common language, mental harmony and cultural factors along with the trend of newly emerging consciousness took a special shape. Dr. Jameel Jalbi has built the links of identity thanks to his insight and vision coordination.

Key Words:

Pakistanism, civilization and culture, intellectual values, traditions, social issues

ڈاکٹر جمیل جالبی عہد حاضر کی ادبی اور فکری تہذیب کی ایک معتبر اور معروف شخصیت ہیں۔ وہ زبان وادب اور کلچر (تہذیب و ثقافت کی تفہیم) کے حوالے سے خاص مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ انھیں ادبی حلقوں میں زبان وادب کے حوالے سے محقق، مدون، ناقد، مترجم اور ماہر دکنیات کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان کا پورا نام محمد جمیل خاں بن ابراہیم خاں بن محمد اسمٰعی خان یوسف زئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر تحریر کرتے ہیں:

"وہ معروف معنوں میں اگرچہ تخلیق کار نہیں مگر تنقید، تحقیق اور ترجمہ کاری ان کی خاص جہتیں رہی ہیں جہاں انھوں نے فکر و آہنگ کی نادرہ کاری کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کا فن تحقیق و تنقید میں عمومی رنگ و پیکر کی مجسمہ سازی نہیں کرتا بلکہ ان میں وہ تخلیقی رویے اُمنڈتے رہے ہیں جنھوں نے جالبی صاحب کی فکر و سوچ میں فلسفیانہ بنیادوں کو اساس مہیا کی ہے۔ لفظ کے حجرے میں بیٹھ کر خیال کی پیکر آفرینی اور مراقبہ سازی کوئی آسان فعل نہیں ہے۔ لیکن جالبی صاحب نے یہ بھی کر دکھایا ہے۔"(۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ایسا تحقیقی کام انجام دیا ہے جسے اپنی عام سطح سے اُٹھ کر گنجینۂ معنی کا طلسم کدہ پیدا کرنا کہا جاسکتا ہے۔ یہ کام ڈاکٹر جمیل جالبی نے بہ احسن نبھایا ہے۔ فکر وخیال کا یہ تصور صبح بہاری کا پیش خیمہ بن کر شگفتہ گلہائے ناز میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک نئے کھلے گل کی طرح اس نقد و انتقاد کی خوشبو ادب وفن کو اپنی چادر میں لپیٹ لیتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے فکر وفن کی بدولت لفظ کو اس کی تہذیبی، جمالیاتی معنویت کے لبادے میں ملبوس کر کے خیال کی رعنائی احساس کا اظہار خوب کیا ہے۔ ان سب لفظ وخیال کے امتزاج سے تہذیب و ثقافت کے مظاہر کی ترجمانی کی ہے۔ دیکھا جائے تو لفظ، خیال کی ترسیل اور ابلاغ عامہ کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف معنی کا طلسم کدہ بھی اور احساس کا استعارہ بھی ہے، خیال جب احاس کے استعارے اور لفظ کے پیکر میں ڈھل کر سامنے آتا ہے تو اس کی رعنائی زمانوں سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں خیال، لفظوں کی کروٹ سے ایسے منظر بناتا ہے کہ کہ فکر کا ایک مربوط نظام سامنے آنے لگتا ہے۔ ان کی تنقید فکری رویوں سے عبارت ہوتی ہے اور ان کا اسلوب تخلیقی اور جمالیاتی آہنگ تنقید کو ایسا فکری زاویہ عطا کرتا ہے کہ ان کی تنقید تنقیدی روایت کے عمومی رجحانات سے بالکل ہٹ کر منفرد حیثیت کی حامل بن جاتی ہے۔ اس طرح ان کا تحقیقی آہنگ تنقیدی شعور کے باعث رعنائی احساس کا آئینہ دار بن جاتا ہے اور حقائق کی تلاش ریاضیاتی گوشواروں کی پابند نہیں رہتی بلکہ وہ تہذیب اور تاریخ کے اس تصور حقیقت سے رنگ کشید کرتی، جو ہند اسلامی تہذیب کی بنیاد ہے۔ ساحر کے بقول: "ڈاکٹر جمیل جالبی کے فن پاروں میں تخلیقی اظہار بھی ہے اور جمالیات کی رنگینی بھی اور یہی اظہار و بیان کی مٹھاس ان کے اسلوب کی پہچان قرار دی جاسکتی ہے۔"(۲)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے آج سے جب نصف صدی پہلے قدم رکھا تو مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی عرشی اور اس پائے کے کئی اور بلند پایہ محققین ، اردو تحقیق کی لوح درخشاں پر اپنے نام ثبت کر چکے تھے۔ ادبی تحقیق میں پنجاب، دکن لکھنو اور دہلی کے دبستان اپنے اپنے خدوخال نمایاں کر چکے تھے۔ ایک جانب اصول تحقیق و تدوین اور تنظیم کے امکانات روشن ہو رہے تھے تو دوسری طرف قیام پاکستان کے بعد پاکستانی تہذیب و ثقافت اور کلچر کا مسئلہ بحث طلب تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان تمام اہل علم کے کام کو بطور نمونہ سامنے رکھا اور ان کے وضع کیے ہوئے رہنما اصولوں کو رد و قبول کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنے لیے نہ صرف انفرادی راستہ متعین کیا بلکہ منزل اور ہدف کا تعین کرنے کی کوشش بھی کی۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اُن کی تحقیق، اپنے موضوعات کے تنوع کے باوجود انفرادی مطالعے سے اجتماعی احساس کی جانب بڑھتی نظر آتی ہے۔ جالبی نے تحقیقی میدان میں عموماً جن موضوعات کا انتخاب کیا وہ بے حد مشکل اور منفرد ہونے کے باعث چیلنج کا باعث بھی بنے مگر انھوں نے اپنی پختہ کاری کی بدولت عہدہ برآ ہونے میں ہی عافیت جانی۔ انھوں نے موضوعات کے تعین میں چار طرح کے موضوعات پر قلم اٹھایا

۱۔ نئے مواد کی دریافت۔

۲۔ دریافت شدہ متن کی تصحیح اور جانچ پرکھ۔

۳۔ مصنف کی شخصیت کا تعین یعنی سوانحی تفصیلات کی فراہمی۔

۴۔ تہذیب و ثقافت (کلچر) کی تفہیم۔

تاریخ کے اوراق پر نگاہ ڈالی جائے تو ادبیات عالم میں روایت اور ماضی کی بازیافت کا عمل تاریخ کے زمرے میں آئے گا۔ تاریخ کا عمل محض زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے بیچ رابطے اور تعلق کی تلاش اور کسی خاص زمانے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے نتیجے اور اسباب کا کھوج لگانا ہے۔ یہی تاریخ کی خاصیت ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اس ضمن میں لکھا ہے:

"ادبی تاریخ ماضی کی بازیافت ہے۔ اس کا علم ایک اہم مقصد گئے گزرے زمانوں کو زندہ کرنا ہے۔ ادبی مؤرخ ماضی کے اندھیروں میں سفر کرتا ہے۔ خوابیدہ داستانوں کو بیدار کرتا ہے۔ گرد میں دبی ہوئی دستاویز کو جھاڑتا ہے اور ان دستاویز کے اوراق پر ماضی کے نامور کرداروں سے متعارف ہوتا ہے، ان سے مکالمہ کرتا ہے۔"(۳)

جمیل جالبی نے خود اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"ادبی تاریخ کا کسی دور کی تہذیب و ثقافت سے قریبی تعلق ہوتا ہے۔ تہذیب و ثقافت کے علاوہ تاریخ، فلسفہ، نفسیات، معاشیات، دیومالا اور سماجی محرکات بھی اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ تاریخ نگاری کا مقصد ماضی کی بازیافت ہے۔ اس ماضی کے پس پردہ اقوام کی ثقافت و کلچر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ہر دور کے سیاسی، ثقافتی اور معاشی مد و جزر اور قدروں کو پیش نظر رکھ کر واقعات جانچنا، پرکھنا اور اُن میں تضاد کے ہوتے ہوئے بھی باہم تعلق کو دریافت کرنا اور ایسی تصویر پیش کرنا جو متعلقہ عہد کی صحیح تاریخ اور تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہو، بہت عرق ریزی کا کام ہے۔ اس میں افراد اور معاشرے کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی صورت پنہاں ہوتی ہے۔"(۴)

معاشرتی زندگی اِن مثبت اقدار کی جلوہ آرائی، علمی و ادبی تحقیق و تنقید پر انحصار کرتی ہے۔ زندگی کے سارے رنگ رشیرینی تحقیقی اسلوب سے نکھرتے اور سنورتے ہیں۔ گویا تحقیق کسی بھی معاشرے کی تہذیب اور علمی و ادبی رویوں کو سمجھنے اور تہہ داری تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ معاشرتی حیات کا فکری تخیلی کام معنوی رعنائی اور گہرے جمالیاتی شعور کے لیے تحقیق و تنقید کا مرہونِ منت ہے، کیوں کہ جب کسی معاشرے میں تحقیق کا عمل ناکارہ سمجھا جانے لگتا ہے تو وہاں اپنے سارے جھوٹ، سچائیاں بن کر خود معاشرے کو گھن کی طرح کھانے لگتے ہیں جب کہ بے تحقیق معاشرہ ہر سطح پر ناکارہ و بے جان ہو جاتا ہے اور تھکا دینے والا غبار اسے اور اندھا کر دیتا ہے۔ نوشاہی کے بقول:

"ڈاکٹر جمیل جالبی نے حقائق کی دریافت زندگی کی مثبت قدروں کے طرز احساس کی جستجو، معاشرتی رویوں کی تازگی اور شگفتگی، زندگی کے معنوی نظام کی آراستگی، زندگی کی تصویر حقیقت اور مذہبی صداقت پر مبنی تہذیب و معاشرتی رویوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ وہ حافظ محمود شیرانی کے وضع کیے ہوئے چند اصولوں یعنی "حزم و احتیاط، تحفظ، عرق ریزی اور وابستگی کو شعار بنا کر اپنے کام میں منہمک ہو گئے۔"(۵)

مطالعے کی وسعت زادِ راہ بنی اور ان کے لیے خود بخود راستے کھلتے گئے اس طرح انھوں نے اپنے اعلیٰ ترین ہدف یعنی تاریخ ادب، تہذیب و ثقافت، تدوین ادب، نقد و انتقاد لسانی محرکات کی تحریر و تنظیم کو پالیا ہے۔

کلچر یعنی (تہذیب و ثقافت) اور معاشرے کا تعلق جسم اور روح کے مماثل ہے۔ اگر جسم لاغر ہو جائے تو باطن، تازگی کی موجودگی کا جواز کیسے فراہم کر سکتا ہے! یہی حال ہمارے ہاں کلچر اور اس سے متعلقہ مباحث کا بھی رہا ہے۔ اگرچہ یہ سوالات کسی حتمی نتائج پر پہنچنے کے لیے اُٹھائے جاتے رہے ہیں۔ اس زرخیز موضوع پر مسلسل گفتگو ہی مہمیز کا کام دیتی ہے اس عمل میں تعطل اسے انجماد کی طرف دھکیلنے کا باعث بنتا ہے۔ خواب جوانی کی مانند پاکستانی کلچر کی بہت سی تعبیریں اور تشریحیں ہوتی رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے سماج کی تنگ دامانی کا صرف اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے زمانے یعنی ساٹھ اور ستر کی دہائی تک (جب انھوں نے پاکستانی کلچر پر اپنے مضامین قلم بند نہ کیے کلچر کے لیے اس کے درست متبادل لفظ کو بھی دریافت نہیں کیا جاسکا، اس کی توجیح تو ایک الگ مسئلہ ہے۔ بہر حال کلچر، معاشرے کے تحرک کا اعلامیہ ہے۔ اسے مجسم نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے ہاں یہ روایت دیکھنے کو ملتی ہے کہ کلچر کی تفہیم کے لیے تمدن یا ثقافت کے الفاظ استعمال کیے جاتے رہے ہیں اور بعض لوگوں کے ہاں تہذیب و ثقافت کے معنی بھی ملتے ہیں۔ کوئی اسے درست کہتا ہے اور کوئی غلط ! ثقافت اپنے محدود معنی میں فنون لطیفہ کے لیے بھی مستعمل ہے اور تہذیب ظاہری تراش خراش سے انسلاک رکھتی ہے یعنی عادات، لباس، گفتگو۔ جب کہ ثقافت کا تعلق ذہنی تحرک کے ساتھ وابستہ ہے۔ تاہم جب اس کے معانی و مفہوم میں وسعت پیدا ہوگئی تو اس کی کئی ارتقائی جہات سامنے آئیں۔ تمدن اس کے برعکس عام طور پر طرزِ بود و باش وغیرہ میں مستعمل ہے۔ شاید اسی لیے ہمارے معاشرے میں متمدن اور مہذب ملتے جلتے معانی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

علمی بحثوں سے قطع نظر ہماری علمی زندگی میں کلچر کا استعمال بہت طریقوں سے نظر آتا ہے۔ مثلاً مختلف انواع و اقسام کے ورائٹی شو کو کلچر شو سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سے ملبوسات سے لے کر مصوری، دنگل، بھنگڑا اور خٹک ناچ وغیرہ بھی کلچر ہی کے زمرے میں لیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان میں "لوکل کلچر" کے معنی پنہاں ہوتے ہیں۔ جب معاشرہ انفرادی بکھراؤ سے اجتماعی بکھراؤ کی طرف رواں ہوتا ہے تو ایسے میں فرد یا معاشرے کو اس کی ثقافت ہی اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ کلچر کا تعلق انسان کے داخلی اور خارجی دونوں کیفیات سے وابستہ ہے۔ جس طرح انسانی جسم میں روح کو رواں دواں رکھنے کے لیے تازہ خون کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کلچر بھی کسی بھی معاشرے کے لیے خون کے خلیوں کی مانند ہے۔ خون کے خلیے ہمہ وقت بنتے بگڑتے رہتے ہیں اور یہ توڑ پھوڑ کا عمل انسانی جسم میں روح کے عمل کو تقویت فراہم کرتا ہے اور یہی نشیب و فراز فکری سطح پر تہذیبی و ثقافتی صورت میں جلوہ گر ہو کر معاشرے کی ترتیب و تنظیم کرتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پاکستانی تنقید کی روایت میں سب سے پہلے ثقافت اور کلچر کی تعبیر کو اُجاگر کیا ہے۔ وہ ہمیشہ حقائق کی تلاش میں محوِ عمل رہے۔ انھوں نے جن مسائل پر تفکر کیا ان کا براہ راست تعلق تہذیب و ثقافت کے اُن سرچشموں سے جڑا ہے جو ایک طرف مذہب کے اس تصور حقیقت سے جڑے ہوئے ہیں جن کی بنیاد وحی پر ہے تو دوسری جانب وہ ادب اور ثقافت کو روایت کے اس تسلسل میں دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو فکر انسانی کے جمالیاتی رویوں کو اس کے فکری اور معنوی تناظر میں سامنے لاتی ہے۔ کیوں کہ اس طرح سے روایت اپنے تہذیبی زاویہ ہائے نظر سے ہوتی ہوئی مذہبی تجربے سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور بقول ساحر:

> "جالبی صاحب روحِ عصر کے تشخص اور اس کی انفرادیت کے بے حد قائل ہیں۔ ان کے نزدیک عصری طرزِ احساس کی شناخت کے بغیر ادب کی صحیح تعبیر ممکن نہیں ہوتی، ہو سکتی بھی نہیں کیوں کہ حال کے منظر نامے کی تفہیم ماضی کی ان

تہذیبی اقدار سے وابستگی پر منحصر ہوتی ہے جو مستقبل کے فکری پیش منظر کا ادراک کرتی ہے، جو تہذیبی اور ثقافتی مظاہر کی خوشبو سے معطر ہوتی ہے"(۶)

فرداور قوم ایک دوسرے کے ساتھ باہم پیوست ہوتے ہیں اوران میں دوئی کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ہونا چاہیے کیوں کہ فرد اپنی قوم اور تہذیب سے کٹ کر زندگی بسر کرنے لگے تو پھر ایسے منفی رویے معاشرتی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں ۔ انسانی زندگی اخلاص اور حیات بخش رویوں سے محروم ہوجاتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کا تنقیدی سرمایہ انہی مسائل کے انعکاس اور پھر ان کے منظر نامے سے کلچر کی شناخت اور تفہیم سے عبارت ہے۔

اسلام، کلچر، زبان اور یک جہتی سے متعلق جالبی کی حسب ذیل کُتب منظر عام پر آچکی ہیں۔

۱۔ برصغیر میں اسلامی جدیدیت (عزیز احمد کی کتاب کا ترجمہ Islamic Modernism in India and Pakistan 1857-1964)۔

۲۔ برصغیر میں اسلامی کلچر (عزیز احمد کی کتاب کا ترجمہ Culture in India Environment Islamic)

۳۔ ادب، کلچر اور مسائل، مرتبہ: خاور جمیل، رائل بک کمپنی، کراچی، (1986ء)

۴۔ قومی زبان: یک جہتی، نفاذ اور مسائل، (1989ء)

۵۔ پاکستانی کلچر، مشتاق بک ڈپو، کراچی (1964ء)

انگریزی زبان میں:

1. (1984),Pakistan: The Identity of Culture.

2. (1986),The Changing World of Islam

3. (1986)Pakistani Culture.

ان کُتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقیدی جہت ادب اور کلچر کے فکری رویوں کی آئینہ دار ہے۔ان کے ہاں تنقید کے پس منظر میں کلچر کا منظر نامہ اپنے تمام تر فکری اور جمالیاتی احساس کے ساتھ موجود ہے۔ان کا تنقیدی و تحقیقی احساس فکر و فلسفے کے امتزاج سے جنم لیتا ہے۔وہ کلچر اور تہذیب کے مسائل سے جڑے سوالات کے حل کے متلاشی نظر آتے ہیں۔ کلچر اور اس سے وابستہ رجحانات کا فکری مطالعہ ان کی تنقید میں وہ رچاؤ لاتا ہے کہ جس سے تنقید کا منظر نامہ رنگا رنگی سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی تہذیب اور ثقافت کے فکری و جمالیاتی میلانات سے پیوست ہے۔ زندگی کی کُلی معنویت کا احساس تہذیبی معنویت کے جمالیاتی رنگوں سے اُجاگر ہوتا ہے۔

جالبی صاحب نے کلچر کے حوالے سے بہت سے سوالات اُٹھائے ہیں جن کا تعلق براہ راست پاکستانی معاشرے اور سماج کی حیات سے تعلق رکھتا ہے اور ان رویوں کی کُھلی کھولی ہے جن کی جڑوں نے شدت نظری، یک جہتی ملت، مذہب، مادی ترقی، زبان اور نئے شعوری آہنگ کو اپنے کلاوے میں لے رکھا ہے۔

"پاکستانی کلچر" نو(۹) ابواب پر مشتمل کتاب ہے۔ اس کے مقدمے میں جالبی صاحب نے وضاحت کر دی ہے کہ جہاں جہاں انھوں نے لفظ "تہذیب" استعمال کیا ہے اس سے انگریزی لفظ "کلچر" کے معنی مراد لیے جائیں۔ جالبی کے مطابق:

"اپنے طور پر غور کریں تاکہ غور و فکر اور اس بے چینی کی بدولت زندگی میں مثبت اقدار کا ایک ایسا نظام خیال پیدا ہو سکے جو ہمارے ذہنی، معاشرتی و تہذیبی تقاضوں کو آسودہ کر سکے"۔(۷)

قومی کلچر کسی بھی ملک کی ترقی و کامرانی اور دنیا میں اس کی شناخت کا موجب ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اگر غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس کی دو باہم متناقص خصوصیات ضرور سامنے آتی ہیں یعنی بہ یک وقت رنگارنگی اور یک رنگی۔ یہ لامتناہی تنوع، حیرت انگیز ہے اور اکثر و بیشتر بے جوڑ اور غیر متناسب بھی ہے۔ لباس، زبان، شکل و صورت، رہن سہن کے معیار، آب و ہوا اور جغرافیائی خصائص سب ہی ممکن ترین شدید اختلافات کے آئینے دار ہیں۔ بقول کو سمبی:

"متول ہندوستانی یا تو مکمل یورپی وضع میں ملبوس ہوتے ہیں یا ایسے لباس پہنتے ہیں جن سے مسلم اثرات نمایاں ہوتے ہیں یا پھر متعدد و مختلف رنگین ہندوستانی انواع کی ڈھیلی ڈھالی اور قیمتی پوشاکیں زیب تن کرتے ہیں"(۸)

مراد یہ ہے کہ برصغیر کے خطے کے لوگ رنگ و نسل، مختلف زبانوں، غذائی روایات، موسم، لباس وضع داریاں اور سب سے بڑھ کر ایک ہی صوبے، ضلع یا شہر کے درمیان ثقافتی اختلافات اس قدر وسیع ہیں کہ ملک کے مختلف حصوں کے درمیان جسمانی اختلافات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی برصغیر آمد سے لے کر مغلیہ عہد کی آخری ٹمٹماتی شمع تک اور پھر 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مشرقی اقدار کی زوال پذیری اور مغربی تہذیبی اقدار کے فروغ سے فکر و آہنگ کا وہ نیا سلسلہ شروع ہوا جس کے اثرات آج بھی ہماری تہذیبی و ثقافتی، معاشرتی اور سماجی و ادبی زندگی کے مختلف شعبوں میں نفوذ پذیر ہو چکے ہیں۔ مشرقی نظام اقدار کی شکست و ریخت سے ہند اسلامی تہذیب کی فکری اور معنوی وحدت نہ صرف ٹکڑوں میں منقسم ہوتی چلی گئی بلکہ انسانی معاشرے کی روایات کی بگڑی صورتِ حال کی بنا پر تہذیبی ساخت پر بھی منفی اثرات مرتب ہوئے۔ اس طرح سے مشرقی تہذیب و تمدن کا مروجہ اندازِ زیست اور طرزِ احساس اپنی فکری اور جمالیاتی بنیادوں سے لڑکھنے لگا۔ نتیجتاً زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ہمارا فکری نظام بھی فنون لطیفہ کے مجموعی جمالیاتی تناظر میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ شاعری، موسیقی اور کلچر کی فکری و معنوی بنیادیں اس تہذیب کے مدار میں گردش کناں نہ رہیں جس پر صدیوں سے ان کا سلسلہ متحرک چلا آ رہا تھا۔ غرض ہند اسلامی تہذیب کا بنیادی ڈھانچہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

جب افادی اور مادی نقطہ نظر نے روحانی نظر کو متاثر کیا تو مصلحت کشی نے ہماری تہذیبی زندگی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ مشرق کے پروردہ پیروی مغرب کا درس دینے لگے۔ بیسویں صدی میں سائنسی رویے، فلسفیانہ نظام اقدار اور فکری جہتوں پر غالب آ گئے۔ ادب اور فلسفہ میں بحران پیدا ہوا۔ معاشرتی اقدار میں فرد اور اس کے مابعد الطبیعیاتی رشتوں پر سوال اٹھایا جانے لگا۔ خطہ ہندوستان ایک ایسے فکری و تہذیبی ہیجان اور الجھاؤ کا شکار ہوا جس نے صدیوں سے چلی آ رہی تہذیبی و ثقافتی اور تخلیقی و فکری رویوں کو روحانی، فکری، معاشی، نفسیاتی اقدار کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۹۴۷ء تک آتے آتے مذکورہ تہذیبی بحران اور ثقافتی یلغار نے ہندوستان کو دو الگ الگ ملکوں (پاکستان و ہندوستان) میں تقسیم کر دیا۔

پاکستان کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس خطہ ارضی میں یک جہتی، یگانگت، ایک قوم کی حیثیت سے نئی زندگی کا آغاز کر سکیں۔ جہاں اُن کی نسلیں اپنی عظیم روایات کے سہارے نئی تہذیبی اقدار کو جنم دیں مگر قیام پاکستان کے وقت صورت حال نے کچھ ایسی انگڑائی لی کہ وہ معاشرہ جس میں لوگ رنگ و نسل، زبان، رہن سہن،

بودوباش اور مذہب کے اختلاف کے باوصف ایک دوسرے کی عزت اور جان ومال کے محافظ تھے ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ ہزاروں، لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے، قتل عام ہوا اور عصمت دری کی ایسی اذیت ناک داستانیں رقم ہوئیں جس نے برصغیر کو ہندو مسلم فسادات کی آگ میں جھونک دیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ نویسی اور تنقید بالخصوص کلچر کے ادراک اور معنی ومفہوم سے تعلق رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اپنے مضمون "ادب، کلچر اور تنقید کی خوشبو" میں جالبی صاحب کی کلچر سے وابستگی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ڈاکٹر جمیل جالبی نے پاکستانی کلچر کی تلاش اور جستجو میں داخل اور خارج کے انفرادی اور اجتماعی رویوں کو جس طرح سے روحانی تناظر میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش کی ہے اس نے ان کے ہاں مشاہداتی اور مکاشفاتی رویوں کی تفہیم کو بالکل ایک نئے اور منفرد رنگ و آہنگ سے مرتب کیا ہے۔ انھوں نے کلچر کی معنویت کی تشکیل میں مادی اور روحانی ہر دو نظام ہائے فکر سے استفادہ کیا۔ وہ کلچر کو نہ صرف مادی رویوں پر استوار کرتے ہیں اور نہ ہی محض روحانی رویوں پر بلکہ ان کے ہاں دونوں کی معنوی یک جائی سے ایک ایسا جمالیاتی قرینہ مرتب ہوتا ہے جو کلچر کے معنوی نظام کی تشکیل میں ممد و معاون ہے۔"(۹)

"پاکستانی کلچر" کتاب کو حسب ذیل نو(۹) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ آزادی، تہذیبی مسائل اور تضاد۔

۲۔ کلچر کیا ہے؟

۳۔ قومی یک جہتی کے مسائل۔

۴۔ مذہب اور کلچر (۱)

۵۔ مذہب اور کلچر (۲)

۶۔ مادی ترقی اور کلچر کا ارتقاء۔

۷۔ مشترک کلچر، مشترک زبان۔

۸۔ ذہنی آزادی اور تہذیبی عوامل۔

۹۔ نئے شعور کا مسئلہ۔

دراصل انھوں نے ان مذکورہ عنوانات کے تحت پاکستانی قوم، سماج اور معاشرے کو ان دنوں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان سب کا احاطہ کیا ہے۔ چوں کہ ملک و قوم کی ترقی اور ارتقاء و احیا کا انحصار کافی حد تک قومی زبان، اس کی تہذیب وثقافت، اس کی سماجی اقدار اور روحانی افکار وغیرہ پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی بصیرت و بصارت کا

تال میل کلچر کے ساتھ وابستہ ہے اور اس تال میل اور تار و پود کی کڑیاں قومی کلچر اور قومی تشخص پر استوار کی گئی ہیں۔ گویا زبان کے تحفظ، نفاذ، تہذیب وثقافت سے وابستہ مسائل کا تجزیہ کر کے انھوں نے ان مسائل کے حل کی جانب ایک قدم بڑھایا ہے۔ قومی کلچر، قومی تشخص اور ترقی کا انحصار تو ایک آزادانہ فضا کے تحت ہی وجود میں آسکتا ہے۔ کلچر کے فروغ کے لیے ایک ایسی فضا کی ضرورت ہوتی ہے جس میں تعصب، تنگ نظری اور منافقت نہ ہو اور جب تہذیب کی عائد کردہ پابندیاں تعصب پرستی، تنگ نظری اور منافقانہ رویوں کو اپنی چادر میں جکڑ لیتی ہیں تو کلچر کے تازہ جھونکوں کی آمد ملتوی ہو جاتی ہے۔

اس لیے مذکورہ موضوع کی مبادیات کو معروضی انداز سے دیکھنے کی اشد ضرورت تھی تاکہ پاکستانی کلچر کے فکری زاویوں کو اُن کی اصل سے دریافت کیا جاسکے لہٰذا ڈاکٹر جمیل جالبی نے چند ایک سوالات اُٹھائے اور ان کے جوابات تلاش کرنے کی جستجو کی ہے۔ 1947ء کے بعد تہذیبی و لسانی لحاظ سے ایسے سوالات نے جنم لیا جن کا کلچر کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ مثلاً ہمارا فکری احساس کیا ہے؟ ادب کا جمالیاتی پہلو کیا ہے؟ اور یہ کہ زندگی کن اقدار پر تعمیر ہوگی؟ پاکستان تہذیبی لحاظ سے ایک خلا کے ساتھ وجود میں آیا۔ اس کے دو حصے تھے ایک مشرقی پاکستان اور دوسرا مغربی پاکستان۔ دونوں کے درمیان ایک ہزار سے زائد میل کی مسافت تھی۔ پھر دونوں اطراف کی زبان میں تضاد تھا۔ حتیٰ کہ پاکستان کے ایک ہی علاقے / خطے کے رسم و رواج اور بود و باش میں بھی اختلاف بدرجہ اتم موجود ہے۔ چناں چہ ایک ایسے واضح خط تہذیب اور فکری احساس کی ضرورت تھی جن پر عہد جالبی کے دانشور غور و فکر کرنے لگے تھے۔ مثلاً چند بنیادی سوالات جو اُس وقت اُٹھائے گئے، جو حسب ذیل تھے۔

۱۔ کیا کوئی معاشرہ اپنے کلچر اور تہذیب وثقافت کے بغیر رہ سکتا ہے؟

۲۔ کیا کلچر کے لیے محض جغرافیے کا ہونا ضروری ہے؟

۳۔ کلچر اور تہذیب کے بنیادی مآخذات میں تشکیلی عناصر کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

۴۔ اسلامی کلچر اور ہندو کلچر کی اصطلاحیں کیا کوئی معنویت رکھتی ہیں؟

۵۔ وفاقی اور صوبائی کلچر کے مباحث کیا صورت حاصل رکھتے ہیں؟

۶۔ پاکستانی کلچر کیا ہے؟ کیا ہے بھی یا نہیں؟

۷۔ تہذیب وثقافت میں اتنی جمالیاتی اور تخلیقی قوت جسے میتھیو آرنلڈ نے Power of Beauty کا نام دیا تھا وہ ہمارے معاشرے کے گرد حصار بنا سکے گی؟

۸۔ کیا ثقافت، تمدن، تہذیب کا کلچر سے انسلاک صرف فطری صورت میں ہو سکتا ہے؟ یا اس پر مسلط بھی کیا جاسکتا ہے۔

کلچر پر ایسے سنجیدہ نوعیت کے سوالات عہد جالبی میں اُٹھائے جا رہے تھے۔ یہ ایسے سوالات تھے جو تقریباً عہد جالبی سے لے کر آج تک معاشرے اور سماج کے ہر فرد کے ذہن میں اُبھر رہے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ ابھی بالیدگی کی صورت میں ہے۔ اس کے وسائل اور معاشرتی خواہشات میں زبردست بحرانی تضاد ہے اور یہ تضاد ہمارے معاشرے کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔ پاکستان جب قائم ہوا تو وسائل بہت محدود تھے۔ ہمارا خطہ اگرچہ معدنی وسائل اور زرعی ارضی سے مالا مال ہے مگر ان وسائل کو بروئے کار لانے کے لیے چند وسائل کی ضرورت تھی اور موجودہ زمانے میں بھی ہم صنعتی و زرعی پیداوار میں مغربی اقوام سے بہت پیچھے رہ

گئے ہیں۔ چوں کہ معاشرے کی خواہشات صنعتی معاشرے کی خواہشات کی متلاشی ہیں اس لیے پاکستانی سماج اور معاشرے کو غیر آسودہ خواہشات اندر ہی اندر سے کھائے جارہی تھیں۔ ایسے میں وسائل اور خواہشات کے بیچ پنپتا ہوا تصادم و تضاد زندگی کی ہر سطح پر پاکستانی معاشرے کے تخلیقی سوتوں کو خشک کیے جارہا ہے جیسے ہماری زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔ وہ تمام روایات و اقدار جو اسلامی معاشرے میں کلیدی اہمیت کی حامل ہیں وہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کا شکار ہو رہی ہیں۔ سوچ اور فکر کے پرانے ذرائع بے معنی ہو کر دم توڑنے لگے ہیں اور خیالات و عقائد کا وہ نظام جو صدیوں سے ہماری ثابت قدمی اور استقامت کا اظہار تھا ان سب نے ایک خلا کی صورت اختیار کر لی ہے۔

ہماری صورتِ حال ایسی ہے جیسے کسی خزاں رسیدہ درخت کی ہو جس کے پتے جھڑ چکے ہوں۔ اس تہذیبی خلا اور تضاد کا اگر نقشہ دیکھنا ہو تو معاشرے کے کسی بھی پیشے سے وابستہ انسان سے گفتگو کر لیجیے آپ کو اندازہ ہو گا کہ پاکستانی معاشرہ تہذیبی سطح پر کس جگہ کھڑا ہے۔ ہر جگہ تضاد کی جھلسا دینے والی آگ معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے سامنے آئے گی۔ ہر فرد اپنی جگہ غیر محفوظ، نامطمئن اور غیر آسودہ نظر آئے گا۔ اگر تہذیبی و ثقافتی سطح پر یہی صورتِ حال بر اجمان رہے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تخلیقی سرچشمے خشک ہو جاتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے کے تضادات اور تہذیبی مسائل کی لسٹ اتنی طویل ہے کہ پورا معاشرہ شارٹ کٹ، پوری قوم لاٹری اور انعام کے طلسم میں گرفتار نظر آتی ہے۔ ایک دوڑ ہے جس میں ایک تضاد دوسرے تضاد کو جنم دے رہا ہے۔ زندگی زیادہ مشکل اور کٹھن ہوتی جارہی ہے۔ عدم تحفظ کا احساس شدت اختیار کر چکا ہے اور ان حالات میں خود حفاظتی اور خود پرستی (نرگسیت) معاشرے کی فطرت میں بسیرا کر چکی ہے۔ جالبی اس انتشار، تعصب پرستی اور تضاد کی پیکر آفرینی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "نفرت کا وہ عمل جو ہندو مسلم فسادات کی شکل میں اُبھرا تھا اب خود ایک دوسرے کو کاٹ رہا ہے۔ اب ہمیں ایک دوسرے سے نفرت ہے، اپنی اقدار سے نفرت ہے اور اپنے ماضی سے نفرت ہے۔ اپنی روایت اور اپنی تاریخ سے نفرت ہے اور ہم ان سب سے نفرت کرتے ہوئے اندھا دھند مغرب کی روایات، اقدار اور کلچر کی طرف اسی تیزی سے بڑھ رہے ہیں جس تیزی سے چنگیز خاں کی فوجوں نے پیش قدمی کی تھی۔" (۱۰)

تہذیب و تمدن اور ثقافت کا تعلق انسانی سماج سے وابستہ ہے۔ انسانی سماج ایک نامیاتی شے ہے۔ یہ ایک ایسا مجموعی کُل کی حیثیت کا حامل ہے جس کا ہر پہلو دوسرے پہلو سے متعلق اور وابستہ ہے اور جس کا ہر پہلو نہ صرف دوسرے پہلوؤں سے متاثر ہوتا ہے بلکہ خود بھی ان پر اثر ڈالتا ہے۔ انسانی سماج کوئی جامد اور ساکن شے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ بدلتا اور نئی شکل اختیار کرتا رہتا ہے اور یہ تہذیبی عمل مسلسل حرکت اور غیر مختتم تبدیلیوں کی سحر کاری سے مزین رہتا ہے۔ اس میں معاشرے کے نفسیاتی عمل کا بھی کردار دیکھنے میں آتا ہے۔ ہند اسلامی ثقافت مختلف اثرات و عوامل کے جذب و قبول کا ایک فطری اظہار ہے جس میں عربی، ایرانی، ترکی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کے اثرات خندہ پیشانی سے ملتے چلے گئے اور بقول جالبی:

> "صدیوں کے عمل کے ذریعے ایک نئی تہذیبی وحدت کی شکل میں رونما ہوئے تھے۔ یہ کلچر تو ہندوستان کی سرزمین پر ایک ہزار سال میں بن سنور کر ابھرا۔ سیاسی معنی میں قومی کلچر نہیں تھا بلکہ نتیجہ تھا، ملی نصب العین کا، جس نے ہزار سال تک جذب و قبول کے سلسلے کو جاری رکھ کر اپنی انفرادیت کے تیور اور خدوخال باقی رکھے" (۱۱)

مگر ۱۹۴۷ء کے بعد جغرافیائی اعتبار سے نصب العین جو "ہند اسلامی کلچر" کے نقطہ نظر کا عکاس تھا جغرافیائی حد بندیوں کی بنا پر قومیت کے ایک محدود تصور کی شکل اختیار کر گیا اور تہذیب و ثقافت کے داخلی و خارجی پہلوؤں نے ہمارے کلچر کو متاثر کیا ہے۔ تہذیب و تمدن میں چار نظام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ معاشی، معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی نظام۔ ان تمام نظاموں کی بندش میں جغرافیہ کا بہت اہم کردار ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے جغرافیائی حدود اور قومیت کے اس محدود اور غیر ملی تصور پر تنقید کی ہے جس کی بنا پر موہن جو داڑو، ہڑپہ اور گندھارا جیسی پانچ ہزار سالہ قدیم تہذیب کے باوجود ملک پاکستان کو کلچر کی تلاش ہے۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جس کی بنا پر نہ صرف روایات بلکہ ماضی کے رشتوں کو کاٹ کر نئی جغرافیائی حدود میں مقید کر دیا گیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ علاقائی تہذیب پر ملی اور قومی تصور کو اُجاگر کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ جالبی کے مطابق: "بغیر ماضی کے نہ کوئی قوم قوم بنتی ہے اور نہ کوئی ملک ملک بنتا ہے۔" (۱۲)

دراصل جالبی انسانی زیست میں پنہاں تہذیب و ثقافت کے فکری اور جمالیاتی آہنگ کو اُجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔ زندگی کی کُلی معنویت کا احساس تہذیبی معنویت کے جمالیاتی رنگوں سے پھوٹتا ہے اور برگِ گُل کھلاتا ہے۔ زندگی اور تہذیب میں ایسی فکر اور اساسی روح ہے جس کا ادراک ہر دور کی تفہیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ انسانی حیات اپنے فکری تناظر میں تہذیبی اکائی کا محض اشارہ نہیں ہوتی بلکہ یہ اس صداقتِ احساس سے وجود پذیر ہوتی ہے جو اس کو حیاتِ دوام دینے کا موجب بنتی ہے۔ زندگی اور تہذیب میں بنیادی ہم آہنگی ادب اور ثقافت کی تشکیل و ترتیب کی بدولت ہوتی ہے۔ زندگی کی سماجی اور معاشرتی اقدار تہذیب کی علامتی معنویت کا روپ دھار کر جلوہ گری کرتی ہیں۔ یوں زندگی کی فکری اور معنوی تعبیر کا وہ قرینہ ہاتھ آتا ہے جو تہذیب کے باطن سے پھوٹتا ہے۔ جالبی کہتے ہیں کہ ماضی اور تاریخ سے فرار ہو کر زندگی کی مثبت قدروں کو تلاش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کلچر کے بغیر ہم معاشی، مادی، معاشرتی اور تہذیبی سطح پر ترقی کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ساحر، عبدالعزیز، "ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن"، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷)، ص:۱۱

۲۔ ایضاً، ص:۹۔۱۰

۳۔ کاشمیری، تبسم، ڈاکٹر، "اُردو ادب کی تاریخ (ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک)"، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء) ص:۱۱

۴۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، "ادبی تحقیق"، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء) ص:۱۲

۵۔ نوشاہی، گوہر، ڈاکٹر ڈاکٹر جمیل جالبی کا اندازِ تحقیق، مشمولہ، "اُردو ادب کے نامور محققین"، (لاہور: پاکستان رائٹر کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۸ء) ص:۸۲۶

۶۔ ساحر، عبدالعزیز، "ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن"، ص:۳۱

۷۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، (کراچی: مشتاق بک ڈپو، ۱۹۶۴ء)، ص:۱۱

۸۔ کوسمبی، ڈی ڈی، قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں"، مترجم بلسیانی، بالمکند عرشؔ، (دہلی: ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء)، ص:۹

۹۔ ساحر، عبدالعزیز، "ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن"، ص:۳۶

۱۰۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، "پاکستانی کلچر"، ص ۲۳۔۲۴

۱۱۔ ایضاً، ص:۳۵

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۶

References

1. Sahir, Abdul Aziz, "Dr. Jamil Jalibi: Personality and Art", (Islamabad: Pakistan Academy of Literature, 2007), p. 11

2. Ibid., p. 9-10

3. Kashmiri, Tabassum, Dr., "History of Urdu Literature, (From Beginning to 1857)", (Lahore: Sang Mile Publications, 2009) p. 11

4. Jalibi, Jamil, Dr., "Literary Research", (Delhi: Educational Publishing House, 1996) p. 12

5. Noshahi, Gohar, Dr. Dr. Jamil Jalibi's Research Style, included in "Eminent Researchers of Urdu Literature", (Lahore: Pakistan Writers Cooperative Society, 2018) p. 826

6. Sahir, Abdul Aziz, "Dr. Jamil Jalibi: Personality and Art", p. 31

7. Jalibi, Jamil, Dr., Pakistani Culture, (Karachi: Mushtaq Book Depot, 1964), p. 11

8. Kosambi, D.D., Ancient Indian Culture and Civilization in Historical Background", Translated by: Malsiani, Balmukand Arsh, (Delhi: Tarqee-e-Urdu Board, 1979), p. 9

9. Sahir, Abdul Aziz, "Dr. Jamil Jalibi: Personality and Art", p. 36

10. Jalibi, Jamil, Dr., "Pakistani Culture", p. 23-24

11. Ibid., p. 35

Ibid., p. 36 .12